اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ | اگست ۲۰۲۱ء | شمارہ ۸

حرمات الحدود

شرعی حدود کی رعایت (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے
زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

حرمات الحدود

(شرعی حدود کی رعایت) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بمقام جامع مسجد مچھلی شہر ضلع جون پور ۸ شعبان ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔ بعض احباب نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ ہم کو مسائل تو کتابوں سے معلوم ہوجاتے ہیں مگر احکام کی حدود معلوم نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے اگر اس کے بارے میں کوئی رسالہ قلم بند فرمادیں تو عنایت ہوگی، اس پر حضرت تھانویؒ نے اس مضمون کو بیان فرمایا کہ ہماری یہ حالت ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اسکی فکر ہے کہ اہل وعیال کو اس سے پریشانی ہوگی نہ اس کا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہوجائیں گے ہمارے نزدیک صرف گناہوں کے کاموں میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنیت تفاخر کھانا کھلانے کی ممانعت کی ہے ”نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن طعام المتبارين“ اور جس کام کو برا سمجھتے ہیں اس کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں ہمارے نزدیک نہ نیک کام کو کرنے کی کوئی حد ہے نہ برے کو چھوڑنے کی، شریعت نے تمام احکام کی حدود بیان کی ہیں جن کی رعایت کرنی چاہئیے، حضرت نے تفصیل سے وہ حدود بیان کی ہیں اس موضوع پر یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں طبع کیا جارہا ہے یہ دوسری قسط ہے۔

خلیل احمد تھانوی

حرمات الحدود

(شرعی حدود کی رعایت) قسط دوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	دو احادیث میں عجیب تطبیق..........	۷
۲..........	حضرت حاجی صاحبؒ کا نواب رئیس چھتاری کو ناصحانہ مکتوب..........	۷
۳..........	ایک صاحب الحال نوجوان کی حکایت..........	۸
۴..........	اہل اللہ جامع اضداد ہوتے ہیں..........	۹
۵..........	عادل سلطان کی دعا قبول ہوتی ہے..........	۹
۶..........	تان کر سلام کرنے کی مذمت..........	۱۱
۷..........	وقف مال میں سخت احتیاط کی ضرورت..........	۱۲
۸..........	حضرات سلف کا مذاق..........	۱۳
۹..........	اسراف کی حد..........	۱۴
۱۰..........	مہمان کی دعوت میں کس صورت میں اسراف ہے..........	۱۵
۱۱..........	حضرت شاہ ابو المعالی صاحبؒ کی جامعیت..........	۱۶
۱۲..........	مہمان کو زیادہ بے تکلف بننا نامناسب ہے..........	۱۷
۱۳..........	میزبان کو بے تکلف ہونے چاہئے..........	۱۹
۱۴..........	حضرت مولانا گنگوہی کی وصیت..........	۲۰
۱۵..........	حضرت احمد شیخ حضرویہؒ کی حکایت..........	۲۰
۱۶..........	ایک رئیس بھوپال کی حکایت..........	۲۲
۱۷..........	حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس..........	۲۳
۱۸..........	حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی آئینہ ٹوٹنے کی حکایت..........	۲۴

۱۹..........	دشمنی اور دوستی کا اعتدال...	۲۵
۲۰..........	پیر سے کونسا افشاں راز مناسب ہے.............................	۲۶
۲۱..........	راحت کا راز..	۲۷
۲۲..........	اجازت طلب کرنے کا شرعی حکم..................................	۲۷
۲۳..........	مشورہ کی شرعی حیثیت..	۲۸
۲۴..........	عداوت میں حدود سے تجاوز کا انجام............................	۲۹
۲۵..........	جذبات نفسانیہ کی اصلاح...	۳۰
۲۶..........	حضرات صحابہؓ کی تکمیل اصلاح تدریجاً ہوئی..............	۳۱
۲۷..........	مدینہ منورہ میں اجازت جہاد ملنے کا راز......................	۳۲
۲۸..........	باطنی احوال ومقامات کی حدود..................................	۳۵
۲۹..........	شوق اور خوف کی حدود...	۳۶
۳۰..........	غلبہ شوق کے دو اثر..	۳۶
۳۱..........	غلبہ شوق کی روحانی خرابی..	۳۷
۳۲..........	شوق خداوندی اور خوف الٰہی کے حدود.........................	۳۷
۳۳..........	ظاہری اور باطنی امور میں حدود کا فرق........................	۳۸
۳۴..........	کرونا وائرس ودیگر امراض سے بچاؤ کے وظائف......	۴۰
۳۵..........	اخبار الجامعہ...	۴۲

نوٹ۔ گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ وحضرت ضامن شہیدؒ) تھا۔

دو احادیث میں عجیب تطبیق

یہ مضمون حدیث میں بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص زمین کو فروخت کرے تو اس روپے سے جلدی کوئی زمین ہی خرید لے کیونکہ نقد میں برکت نہیں ہوتی ادھر ادھر خرچ ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث شریف میں یہ ارشاد بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا اے عائشہؓ تم زمین وجائیداد نہ خریدنا بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر وجہ تطبیق یہ کہ جس کے پاس پہلے سے زمین ہو وہ تو اس کو ضائع نہ کرے کیونکہ وہ اس سبب معاش کا پہلے سے خوگر ہے اگر زمین نہ رہی تو پریشان ہوگا۔ اور جس کے پاس نہ ہو وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر یہ بلا نہ خریدے کیونکہ زمین جائیداد میں مشغولی زیادہ ہوتی ہے۔ سبحان اللہ ہر شخص کی حالت کی جداگانہ رعایت ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا گیا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا نواب رئیس چھتاری کو ناصحانہ مکتوب

حضرت حاجی صاحبؒ نے نواب صاحب رئیس چھتاری کو ایک حکیمانہ خط لکھا تھا جس میں نواب صاحب کی حالت کی بہت زیادہ رعایت تھی نواب صاحب کا ارادہ یہ ہوا تھا کہ ہجرت کر کے حرم شریف میں قیام فرمائیں۔ اول تو حضرت حاجی صاحب اکثر عازمین ہجرت کو فرمایا کرتے کہ ہندوستان میں اس حالت میں رہنا کہ جسم وہاں ہو اور دل مکہ مکرمہ میں یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اس لیے جب تک شوق کا غلبہ بیحد نہ ہو اس وقت تک ہجرت کا ارادہ نہ کرے مگر نواب صاحب کا غلبہ شوق حضرت کو معلوم تھا اس لیے منع تو نہیں فرمایا مگر ان کو یہ لکھا کہ جب یہاں آنے کا ارادہ کریں تو ریاست کا معقول انتظام کر کے آویں تاکہ ریاست کی طرف سے کسی قسم کا

فکر دل پر نہ ہو۔ ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ جب ریاست کا انتظام آپ دوسروں کے سپرد کریں تو اس کا خیال رکھا جائے کہ ملازمین کی تنخواہیں بڑی بڑی ہوں کیونکہ جب تنخواہ معقول ہوتی ہے تو انسان رشوت اور خیانت کا قصد نہیں کرتا اور تھوڑی تنخواہ میں اس وقت تو آپ کو کفایت معلوم ہوتی ہے مگر بعد میں ملازمین خیانت اور غبن کر کے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ دنیا کی سمجھ بھی ان ہی حضرات کو زیادہ ہے۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مکہ معظّمہ میں رہ کر آپ ریاست سے جو کچھ صدقات وخیرات کرنا چاہیں وہ رقم اپنے پاس نہ منگاویں جو کچھ سخاوت کرنی ہو سب وہیں کسی کے سپرد کردیں جو آپ کی مرضی منشاء کے موافق تقسیم کردے بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی وہیں سے انتظام نہ کرتے بلکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کریم کے یہاں جایا کرتا ہے تو اپنے ساتھ توشہ باندھ کر نہیں لے جاتا۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

ایک صاحب الحال نوجوان کی حکایت

روض الریاحین میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا قافلہ حجاج کے ساتھ تھا مگر اس کے ساتھ کچھ توشہ نہ تھا کسی نے اس سے دریافت کیا کہ میاں تم کہاں جارہے ہو؟ کہا بیت اللہ کا ارادہ ہے، لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ نہ کچھ توشہ ہے(۱) نہ سامان۔ آخر یوں بے سروسامان کس طرح پہنچو گے اس پر نوجوان زاہد کو جوش ہوا اور اس نے بزبان قال یا حال یہ جواب دیا۔

وقدت علی الکریم بغیر زاد   من الحسنات والقلب السلیم
وان الزاد اقبح کل شی   اذا کان الوفود علی الکریم(۲)

حاصل یہ ہے کہ میں کریم کے پاس جارہا ہوں تو یہ بڑی بے شرمی ہے کہ اپنی ساتھ توشہ باندھ کر لیجاویں۔ تو حقیقت میں اہل حال اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں۔ مگر حاجی

(۱) سفر خرچ (۲) میں کریم کے دروازے پر بغیر زادراہ لئے نیکیوں اور سلیم قلب کے ساتھ آیا ہوں اس لئے کہ جب کوئی وفد کسی کریم کے دروازے پر آئے تو اپنا کھانا ساتھ لیکر آنا بہت بری بات ہے۔

صاحبؒ نے نواب صاحب کو لکھا کہ اگر چہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی انتظام ہندوستان سے نہ کرتے لیکن چونکہ آپ ہمیشہ سے اسباب کے عادی ہیں اس لیے اپنی تنخواہ مقرر نہ کرنے میں آپ کو پریشانی ہوگی جس سے جمعیت قلب فوت ہوجائے گی اس لیے اپنی تنخواہ کا انتظام تو کر لیجئے مگر اس کے علاوہ اور کوئی جھگڑا تقسیم وغیرہ کا ساتھ نہ لائیے۔ اور یہ لکھا کہ گو یہ سخاوت ہے مگر۔

نان دادن خود سخائے صادق است جان دادن خود سخائے عاشق است (۱)

اہل اللہ جامع اضداد ہوتے ہیں

سبحان اللہ کیسی شان ہوتی ہے اہل اللہ کی واقعی محقق جامع اضداد (۲) ہوتا ہے وہ متضاد امور کو اس طرح جمع کرتا ہے کہ غیر محقق اس کی حقیقت نہ سمجھنے کے سبب پریشان ہوکر پکار اٹھتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش (۳)

جس کسی کا یہ شعر ہے وہ محقق نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ محقق کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا وہ اضداد کو جمع کر کے دکھلاتا ہے چنانچہ حاجی صاحب نے اس خط میں ایسا کر کے دکھلا دیا کہ تدبیر بھی توکل بھی۔

عادل سلطان کی دعا قبول ہوتی ہے

حاجی صاحب کی ایک اور حکایت جمع بین الاضداد کی یاد آئی۔ ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میں سلطان کے پاس جارہا ہوں اگر آپ فرماویں تو سلطان سے آپ کا تذکرہ کردوں۔ فرمایا کیا فائدہ ہوگا بیش بریں نیست (اس

(۱) ’’روٹی دینا خود سخاوت صادق ہے جان دینا عاشق کی سخاوت ہے‘‘ (۲) متضاد باتوں کو جمع رکھنے والے ہوتے ہیں (۳) ’’ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینک دیا پھر کہتے ہو کہ دھیان کرنا کپڑے نہ بھیگ جائیں‘‘۔

سے زیادہ نہیں) کہ میرے معتقد ہوجاویں گے پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا بس یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ مجھ کو بلالیں گے جس کی حقیقت یہ ہوگی کہ بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد ہوگا سو مجھ کو یہ منظور نہیں اس میں تو حضرت نے اپنی شانِ استغناء کو بیان فرمادیا۔ مگر اس میں بڑائی کا شبہ ہوسکتا تھا اس کا یہ علاج کیا کہ فرمایا'' لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطان بہت عادل ہیں اور روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ان سے میرے واسطے دعا کرادیجئے گا''۔ سبحان اللہ اس درخواست میں اپنے نفس کو کیسا مل دیا کہ حقیقت ظاہر کردی کہ دنیوی حوائج سے تو غنا ظاہر کردی اور دینی امور میں احتیاج ظاہر کی۔ عارف کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ دنیوی امور میں مخلوق سے مستغنی ہو اور دینی امور میں ہر ایک کی دعا کا محتاج ہو ظاہر میں استغنا اور تواضع کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے مگر حاجی صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔ مگر اس درخواست میں ناتجربہ کاری کا شبہ ہوتا تھا کیونکہ سلاطین سے دعا کرانا خلاف آداب شاہی ہے میں آپ کو اس کی ایک ترکیب بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ان کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے گا اس کے جواب میں وہ علیہ وعلیکم السلام فرماویں گے بس دعا ہوجاوے گی اور یہ بات حضرت حاجی صاحب ہی کے قول سے ثابت نہیں کہ سلام دعا ہے اور واقعی اب معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جامع دعا ہے کیونکہ اس میں سلامتی کی دعا ہے جو کہ عام ہے ظاہری باطنی ہر قسم کی سلامتی کو اس میں تمام مقاصد داخل ہیں مگر افسوس ہے کہ آجکل لوگوں نے اس جامع دعا کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ آدابِ عرض وغیرہ اختیار کرلیے ہیں۔

ایک جگہ شیخ زادوں کے مجمع میں کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا، ایک شیخ صاحب نے اٹھ کر پانچ جوتے مارے۔ حجام نے کہا کہ حضور پھر کیا کہا کروں۔ شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو وہ حجام پکار کر کہتا ہے حضرت سلامت ورحمۃ اللہ حضرت سلامت ورحمۃ اللہ۔ لوگوں نے پھر اس کو مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر سن لو

پھر جو چاہے کرلینا۔ بات یہ ہے کہ میں نے آج شیخ صاحبوں کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا تو وہ بڑے خفا ہوئے اور میرے پانچ جوتے مارے اور کہا حضرت سلامت کہا کرو۔ میں ڈرا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہوگئے تو وہ تو مجھے جیتا بھی نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیل علیہ السلام بھی ہیں اس لیے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا۔ یہ جواب سن کر شیخ زادے شرمندہ ہوکر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے سو بعض جگہ تو یہ غضب ہے کہ السلام علیکم سے ناراض ہوتے ہیں مگر غریب قوم کے لوگوں کو بھی اتنی رعایت چاہیئے السلام علیکم تان کر نہ کہا کریں جس سے سننے والوں کو یہ شبہ ہو کہ یہ اپنے کو ان کے برابر سمجھتے ہیں۔

تان کر سلام کرنے کی مذمت

ایک بار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اس کے لہجہ سے مساوات کا دعویٰ معلوم ہوتا تھا، میں نے جواب دے دیا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے برا مانے وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جو سلام سے برا مانے وہ بہت برا اور جو تان کر سلام کرے جس سے مساوات کا دعویٰ ٹپکتا ہو وہ اس سے بھی برا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اس مرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون برا مانتا ہے مگر اس کے طرز سے لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے اور فی الواقع چھوٹوں کا دعویٰ مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری کرنے لگے تو یقیناً برا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کافر ہو اس کا بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو سلام فرمائیں گے یعنی اہل جنت سے فرمائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ قرآن شریف میں ہے سَلَٰمٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ

رَّحِيمٌ ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائیگا نیز تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، (سلام تم پر اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں) کہا جاتا ہے تو ہر مسلمان روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتا ہے پھر یہ کیوں برا ہونے لگا۔ یہ تو بیچ میں کچھ جملے معترضہ آ گئے تھے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو شیخ سب کو تارک بنانا چاہے وہ اناڑی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان بی بی کو جائیداد وقف کرنے سے منع فرمایا۔

وقف مال میں سخت احتیاط کی ضرورت

امام سفیان ثوریؒ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک تھے حتی کہ خلیفہ ہارون رشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ایک شکایت کی تھی کہ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوریؒ نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی اس لیے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغ فوراً گل کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لیے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لیے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس کے لیے میں نے چراغ گل کر دیا۔

سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آج کل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔

حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹیں روشن کردے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق سے مطابق ہو تو امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے تو تارک تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گزر گیا جبکہ روپیہ رکھنا مضر تھا آجکل روپیہ جمع کرنا مفید ہے کیونکہ آجکل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان کو حرام وحلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی پھر فرمایا کہ ہمارے پاس یہ دینار نہ ہوتے تو یہ امراء ہم کو دست مال (۱) بنا دیتے۔ مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون میں داخل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے بہت قریب ہے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس زمانہ کے بابت فرما رہے ہیں کہ اس وقت مال جمع کرنا مفید ہے اس سے قیاس کرلیا جائے کہ آجکل مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہو اسے چاہیے کہ احتیاط سے خرچ کرے اسراف نہ کرے **لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا** (۲) شاید کسی وقت ضرورت ہوجائے تو پریشان نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح بخل بھی

(۱) برتن صاف کرنے کا کپڑا (۲) ''شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردیں'' سورۃ الطلاق: ۱۔

نہ کرو اس کی علت بھی وہی ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا الْعِدَّةَ (۱) کیونکہ بخل سے بعض دفعہ ضرورت کے موقعہ میں بھی تنگی کی جاتی ہے اور اتنی تنگی کے بعد پھر ندامت ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے اس موقع میں کیوں نہ خرچ کیا۔ مثلاً کسی نیک کام کے لیے چندہ ہورہا ہے جس میں بہت کچھ ثواب ملنے کی امید ہے بخیل آدمی ایسے موقعہ میں بھی تنگی کرتا ہے پھر بعد میں اسے افسوس ہوتا ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں) یہاں بھی صادق ہے۔

اسراف کی حد

اب میں اسراف کے متعلق ایک بات بتلاتا ہوں جو شاید آج تک نہ سنی ہوگی وہ یہ کہ اسراف کی حقیقت مشہور یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ قیمتی کپڑے پہننا اور گھر کے لیے زینت وآرائش کا سامان خریدنا اسراف میں داخل نہیں کیونکہ یہ انفاق امور محرمہ (۲) میں نہیں ہے اور بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بلاضرورت خرچ کرنا اسراف ہے گو مباح ہی میں صرف کیا جائے ان کے نزدیک زیادہ قیمتی لباس بھی اسراف میں داخل ہے کیونکہ وہ ان کے نزدیک بلاضرورت ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اسراف کے لیے دو حد ہیں اور واقع میں وہ ایک ہی حد ہے لیکن میں تفصیل کرنے کے ان کو دو قرار دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسراف کے معنی تو وہی ہیں جو پہلے بیان کئے گئے یعنی انفاق فی المعصیت (گناہ میں خرچ کرنا) لیکن معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو فی نفسہ معاصی ہیں جیسے زنا اور تفاخر وغیرہ ان میں خرچ کرنا تو ہر شخص کے لیے اسراف ہے اور حرام ہے اور بعض معاصی وہ ہیں جو فی نفسہ معاصی نہیں بلکہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) ہونے کی وجہ سے معاصی بن گئے۔ ایسے مواقع میں خرچ کرنا مطلقاً حرام نہیں بلکہ جس کے لیے وہ فعل

(۱) شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں (۲) حرام کاموں میں سب خرچ کرنا نہیں ہے۔

سبب معصیت بن جائے اس کے لیے حرام اور جس کے لیے سبب معصیت نہ ہو اس کے لیے جائز ہے تو اسراف کی ایک قسم ایسی نکلی جو ہر ایک کے لیے اسراف نہیں بلکہ بعض کے لیے اسراف ہے اور بعض کے لیے مباح ہے مثلاً چار روپیہ کا حلوہ کھانا یہ ہر ایک کے لیے اسراف نہیں بلکہ جس شخص کے پاس روپیہ حاجت سے زیادہ ہو اور چار روپیہ کا حلوہ کھانے سے اس پر قرض بھی نہ ہو یا قرض ہو مگر اس کا ادا کرنا اسے آسان ہو اور کسی قسم کی پریشانی اس کو نہ ہو اس کو چار روپیہ کا حلوہ کھانا یا عمدہ غذائیں کھانا جائز ہے اور جس شخص پر حلوہ کھانے یا عمدہ عمدہ غذائیں پکوانے سے سودی قرض ہوتا ہے اس کے لیے یہ اسراف ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) اسی طرح دو روپے گز کا کپڑا پہننا پہلے شخص کے لیے جائز ہے اور دوسرے کے لیے اسراف۔ اسی طرح مکان بنانا ایک تو ضرورت کے موافق ہے یہ تو سب کو جائز ہے اور ایک ضرورت سے زیادہ ہے یہ بعض کے لیے جائز ہے بعض کے لیے اسراف ہے۔ جو شخص مرجع خلائق ہو کہ اس کے یہاں مہمان بکثرت آتے ہوں وہ لوگوں کو ٹھہرانے کے لیے اپنی حاجت سے زیادہ مکان بنادے تو جائز ہے بلکہ طاعت ہے اور جس کے یہاں مہمانداری زائد نہیں ہے اس کو ضرورت سے زیادہ مکان بنانا اسراف ہے۔ ہاں اگر یہ نیت ہو کہ ایک مکان میں خود رہیں گے اور دوسرے مکانات کرایہ پردے کر ان سے روپیہ وصول کریں گے اس صورت میں بھی زیادہ مکان بنانا اسراف میں داخل نہیں۔

مہمان کی دعوت میں کس صورت میں اسراف ہے

اسی طرح مہمان کو عمدہ کھانا کھلانا اگر اس میں عجب وریاء وتفاخر نہ ہو احسان جتلانے کی نیت نہ ہو تو اس سے مقروض ہونے کا اندیشہ ہو محض تطہیب خاطر ضیف کی نیت سے اپنی وسعت کا لحاظ کر کے عمدہ کھانے پکائے جائیں تو اس حالت میں یہ فعل اسراف نہیں اور جو شخص زیادہ سامان کرنے سے ان بلاؤں میں مبتلا ہو جائے اس کو زیادہ

سامان کرنا حرام اور اسراف ہے۔ اس کو چاہیے کہ جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو فاقہ کرے اور مہمان کو بھی فاقہ کی اطلاع کر دے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کے پیر ایک مرتبہ ان کے گھر پر تشریف لائے شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے اور اس دن ان کے گھر پر فاقہ تھا ان کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ پیر صاحب تشریف لائے ہیں تو ان کو فکر ہوئی کہ پیر صاحب کب کب تشریف لاتے ہیں اگر آج ان کو بھی فاقہ کرایا تو بڑی بیجا بات ہے ماما کو محلّہ میں بھیجا کہ کسی سے آٹا دال قرض لے آوے مگر غریبوں کو قرض بھی کوئی نہیں دیا کرتا کہیں سے آٹا دال نہ ملا۔ پھر دوسری مرتبہ بھیجا کہ پیسے ہی قرض مل جاویں تو بازار سے جنس منگالیں گے مگر کہیں سے دام بھی ادھار نہ ملے پیر صاحب نے جو بار بار ماما کو آتے جاتے دیکھا تو کچھ کھٹکے اس سے دریافت کیا کہ تو کس فکر میں بار بار آتی جاتی ہے۔ اس نے کہا حضور بات تو کہنے کی نہیں مگر مرشد سے کیا پردہ۔ بات یہ ہے کہ آج شاہ صاحب کے یہاں فاقہ ہے۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کہیں سے آٹا دال یا پیسے ادھار مل جاویں تو آپ کے لیے کھانا تیار ہوجائے۔ مگر کہیں سے کچھ بھی نہیں ملا حضرت شیخ کو یہ حال سن کر رنج ہوا اپنے پاس سے انہوں نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ جاؤ اس کا غلہ منگاؤ اور کھانا تیار کراؤ۔ اور جب غلہ آجائے تو ہمارے پاس لے آنا چنانچہ غلہ لایا گیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں رکھ دیا۔ اس کی ایسی برکت ہوئی کہ غلہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوا اور عرصہ تک فاقہ کی نوبت نہ آئی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جامعیت

حضرت شاہ ابولمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سفر سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت دنوں سے روزانہ بلا تکلف کھانا پک رہا ہے فاقہ ہی نہیں ہوتا ان کو تعجب ہوا کہ میرے پیچھے اتنا غلہ کہاں سے آگیا آخر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پیر

صاحب تعویذ دے گئے ہیں، وہ بڑے پریشان ہوئے کیونکہ وہ فاقہ کے مشتاق تھے ان حضرات کا فاقہ اختیاری تھا اب ایسے وقت میں اگر کوئی غیر عارف ہوتا تو یوں کہتا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ   بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش(۱)

کیونکہ یہاں دو چیزوں میں تعارض ہو رہا ہے اگر پیر کا تعویذ غلہ سے نکال کر الگ کرتے ہیں تو اس میں بظاہر پیر سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر الگ نہیں کرتے تو اپنے مذاق توحید کے خلاف ہے۔ مگر شاہ صاحب عارف تھے انہوں نے دونوں کو خوب جمع کیا فرمایا کہ پیر صاحب کے تعویذ کی برکت کا ہمارا سر زیادہ مستحق ہے غلہ میں رکھنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لاؤ اس تعویذ کو ہم اپنے سر سے باندھیں گے چنانچہ وہ نکال کر لایا گیا اور شاہ صاحب نے اس کو اپنے سر سے باندھ لیا۔ دو تین روز میں غلہ ختم ہوگیا اور پھر وہی حالت ہوگئی جو پہلے تھی۔ کبھی فاقہ تھا کبھی کھانے پکتے تھے۔ شاید کوئی منطقی یہ کہے کہ اگر شاہ صاحب کو فاقہ کا ایسا شوق تھا تو اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ تعویذ کو غلہ ہی میں رہنے دیتے تاکہ اس میں بھی برکت رہتی اور خود فاقہ کرلیا کرتے تو یاد رکھو یہاں منطق نہیں چل سکتی یہ معرفت کا طریق ہے جس کا فتویٰ یہ ہے کہ موجود ہوتے ہوئے فاقہ کرنا خلاف ادب ہے۔ مگر بیماری میں فاقہ کرنا خلاف ادب نہیں گو گھر میں سب کچھ موجود ہو تو دیکھئے یہ حضرات کیسے بے تکلف تھے کہ ان کی تعلیم یافتہ ماما نے پیر کو بھی فاقہ کی اطلاع کردی۔

مہمان کو زیادہ بے تکلف بننا نامناسب ہے

اسی طرح ہمارے استادؒ کے صاحبزادے کے یہاں ایک بار مولانا گنگوہیؒ مہمان ہوئے۔ اس دن ان کے یہاں فاقہ تھا انہوں نے بے تکلف مولانا سے عرض کردیا کہ آج میرے یہاں فاقہ ہے اور قرض کو جی نہیں مانتا اگر آپ فرمائیں تو بعض

(۱) ''ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینک دیا پھر کہتے ہو کہ دھیان کرنا کپڑے نہ بھیگ جائیں''۔

لوگ آپ کی دعوت کرنے کے مشتاق یہاں موجود ہیں میں ان سے کسی کو دعوت کی اجازت دے دوں، مولانا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں تو تیرا مہمان ہوں اگر تیرے یہاں فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا، چنانچہ شام تک مولانا کا بھی فاقہ رہا۔ مغرب کے قریب ایک آدمی گاؤں سے آیا اور حکیم صاحب کو گیارہ روپے دے گیا کیونکہ اس کا کوئی عزیز حکیم صاحب کے علاج سے اچھا ہوا تھا حکیم صاحب وہ روپے لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت آپ کی برکت سے خدا تعالیٰ نے یہ روپے بھیج دیئے ہیں اب میں عمدہ کھانا پکواؤنگا حضرت نے منع فرمایا کہ بھائی تکلف مت کرو، مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ حضرت دن بھر تو فاقہ رہا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھاویں۔ غرض عشاء کے وقت تک پلاؤ وغیرہ بہت عمدہ تیار کرادیا۔ تو میزبان کو ایسا ہی بے تکلف ہونا چاہیے مگر مہمان کو زیادہ بے تکلف نہ بننا چاہیے کہ لگیں طرح طرح کی فرمائشیں کرنے۔ دوسرے یہ کہ میزبان اگر تکلف ہی میں رہے تو کب تک رہے گا۔ تم نے آج دو آدمیوں کے واسطے ادھار قرض کرلیا روز روز کس کس کے لیے ادھار کرتے پھروگے کیونکہ آنے والوں کی یہ عادت ہے کہ جس شخص کو زیادہ مہمان نواز دیکھتے ہیں اس کے یہاں بار بار آمدورفت رکھتے ہیں حتی کہ وہ غریب تنگ آجاتا ہے مہمان بننے والوں کو اس کی ذرا فکر نہیں ہوتی کہ میزبان غریب پر کیا گزر رہی ہے اس لیے مجھے ایسے شخص پر بہت رحم آیا کرتا ہے جو مہمان نوازی میں مشہور ہو۔ اس کے یہاں بعض لوگ محض کھانے ہی کے واسطے پڑے رہتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بے حیا بھی بہت ہیں۔

تھانہ بھون میں ایک ملا تھا اس بے چارہ کے یہاں مہمانوں کی کثرت رہتی حتی کہ اسے ادھار قرض کرنا پڑتا تھا، اس نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا کہ تم مہمانوں کے لیے نہ کچھ اہتمام اور انتظام کیا کرو اور نہ ان کو جواب دیا کرو۔ بس جتنی روٹیاں تمہارے پاس ہوا کریں وہی سب کے سامنے رکھ دیا کرو چاہے کسی کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے ادھار قرض کر کے ہرگز نہ کرو جب لوگ بھوکے رہیں گے خود ہی آنا چھوڑ

دیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تب اس کا پیچھا چھوٹا تو یہ آنے والے مہمان اس کی کچھ پروانہیں کرتے کہ جس کے یہاں ہم جارہے ہیں اس پر کیا گزر رہی ہے ان کو تو اپنے کھانے سے کام دوسرے کی کیا فکر۔ بلکہ بعض لوگ تو سفر ہی اسی واسطے کرتے ہیں تا کہ چند روز عمدہ عمدہ کھانے ملیں گے۔

جیسا کانپور میں ایک طالب علم تھے وہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ فارغ ہو کر دستار بندی کرا لیتے ہیں بڑے بے وقوف ہیں کیونکہ پھر مدرسہ کی روٹیاں نہیں ملتیں اسی لیے ہم تو اتنے عرصہ سے مدرسہ میں پڑے ہیں مگر نور الانوار سے آگے نہیں بڑھتے تا کہ فراغت کے بعد روٹیاں بند نہ ہوجاویں تو اس بندہ خدا کو پڑھنے سے بھی روٹیاں ہی مقصود تھیں۔

مثل مشہور ہے کہ کسی طالب سے کسی نے پوچھا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں کہا چار روٹیاں وہ بھی کوئی ایسا ہی بندہ شکم ہوگا(۱) جس کو پڑھنے پڑھانے سے روٹیاں ہی مقصود ہوں گی۔

میزبان کو بے تکلف ہونا چاہیے

اسی طرح ایک بسیار خوار(۲) سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن کا کونسا مضمون یاد ہے۔ کہنے لگا دو آیتیں ایک احکام کی ایک دعا کی كُلُوا وَاشْرَبُوا کھاؤ اور پیو۔ دعا میں رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۳) سو بعضے مہمان بھی ایسے ہوتے ہیں۔ اس لیے میں کہہ رہا تھا کہ میزبان کو بے تکلف ہونا چاہیے کہ جو موجود ہو سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو مہمان کو فاقہ کی اطلاع کر دے خواہ مخواہ دوسروں کے لیے قرض نہ کرے۔ قرض سے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ قرض لینا جائز ہے اگر بضرورت ہو اور پریشانی نہ ہو مگر پریشانی میں طبائع مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کو قرض سے پریشانی نہیں ہوتی اور بعض کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔

---

(۱) پیٹ کا پجاری (۲) زیادہ کھانے والے سے (۳) ''اے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما'' سورۃ المائدۃ: ۱۱۴۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وصیت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی وصیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ پر کبھی قرض نہیں ہوتا۔ وہ تو قرض سے اتنا بچتے تھے کہ وصیت میں بے تکلف لکھ گئے کہ میرے قرض ادا کرنے کی کوئی فکر نہ کرے مجھ پر قرض ہوتا ہی نہیں۔ اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر قرض ہوتا تھا یہاں تک کہ وصال کے وقت مولانا کے ذمہ کئی ہزار روپے قرض تھے جو ایک ہی خادم نے تنہا ادا کردیئے تو بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ خوب کہا ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است   بعند لیب چہ فرمودہ کہ نالاں است (۱)

مولانا فرماتے ہیں:

گر بعلم آیم ما ایوان اوست   وزبجل آیم مازندان اوست
گر بخواب آئیم مستان وئیم   وربہ بیداری بہ دستان وئیم
درتردو ہر کہ او آشفتہ است   ہر بگوش او معما گفتہ است (۲)

حضرت احمد شیخ حضرویہؒ کی حکایت

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ مدیون (۳) کی روح دین کی (۴) وجہ سے معلق (۵) رہتی ہے جنت میں داخل نہیں ہونے پاتی وہ اس پر محمول ہے کہ قرض بلا ضرورت ہو اور ادا کا قصد (۶) نہ ہو اور اگر بضرورت ہو اور ادا کا پختہ قصد ہو تو اس کے لیے وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ یا تو اس کا قرض دنیا ہی میں ادا کردیں گے ورنہ آخرت میں دائن (۷)

(۱)''گل کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ خنداں ہے۔ بلبل سے کیا فرمادیا ہے کہ نالاں ہے'' (۲)''اگر علم تک ہماری رسائی ہوجائے تو یہ ان کا ایوان ہے کہ تصرف حق سے علم کا درجہ حاصل ہو اور جہل میں مبتلا رہیں تو ان کا زندان ہے کہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اگر سورہیں تو انہیں کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اٹھیں تو بھی ان ہی کی گفتگو میں ہیں۔ جو شخص کسی تردد میں گرفتار ہورہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معمہ کہہ دیا ہے'' (۳) مقروض (۴) قرض (۵) اٹکی رہتی ہے (۶) ارادہ (۷) قرض دینے والے سے۔

سے معاف کرادیں گے۔ اسی لیے بعض اہل اللہ قرض پر بہت جری ہوتے تھے حضرت شیخ احمد خضرویہؒ بہت مقروض تھے مگر ایسے ہی آمدنی بھی بہت تھی لوگ معتقد تھے نذرانے بہت آتے تھے اس لیے کوئی شخص قرض دینے سے انکار نہ کرتا تھا جب وہ مرنے لگے سب لوگوں کو اپنے اپنے روپیہ کی فکر ہوئی اور انہوں نے گھر پر آکر تقاضا شروع کیا کہ آپ تو مر رہے ہیں ہماری رقم کہاں ہے آپ خاموش ہوکر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے فرمایا، خدا پر نظر رکھو۔ اتنے میں ایک حلوائی کا لڑکا حلوا بیچتا ہوا سامنے سے گزرا آپ نے اسے بلایا اور سارا حلوہ خرید کر لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ لوگ بھی اپنے دام ہی مانگ رہے ہیں تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا۔ یہ سن کر لڑکے نے رونا شروع کیا کہ ہائے مجھے تو میرا باپ مار ڈالے گا۔ لڑکے کے رونے کو دیکھ کر سب لوگوں کو شیخ پر غصہ آیا کہ بھلا ان بزرگ کو مرتے مرتے بھی قرض کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر ان کو کیا خبر تھی کہ انہوں نے قرض خواہوں کی ضرورت سے یہ کام کیا تھا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کسی امیر کا ایک خادم ایک سینی میں اشرفیاں لے کر حاضر خدمت ہوا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ فلاں امیر نے یہ ہدیہ خدمت والا میں ارسال کیا ہے آپ نے اسے قبول فرمایا دیکھا تو بالکل قرض کے برابر تھا اسی وقت آپ نے سب قرضہ ادا فرمادیا۔ اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے کہ واقعی مقبول بندے ہیں۔

کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے حلوائی کے لڑکے کا حلوہ بلا ضرورت کیوں خرید فرمایا تھا۔ اس سے تو بڑی ذلت ہو رہی تھی فرمایا کہ یہ سارے قرض خواہ جب یہاں آکر بیٹھے۔ میں نے دعا کی ارشاد ہوا کہ ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں مگر اس وقت کوئی رونے والا ہونا چاہیے اور ان میں کوئی رونے والا ہے نہیں۔ میں نے یہ رونے کی ترکیب کی تھی۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

تانہ گرید کودک حلوہ فروش بحر بخشائیش نمی آید بجوش

تانگرید طفل کے جوشد لبن تانہ گرید ابر کے خندد چمن
گر تو خواہی کربلا جان وآخری جان خودرا در تضرع آوری
در تضرع باش تاشادان شوی گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی(۱)

پھر فرماتے ہیں:

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست(۲)

اس شعر میں اکبر حسین جج مرحوم نے لطیفہ کیا وہ کہتے ہیں۔

در پس ہر لکچر آخر چندہ ایست مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست(۳)

وہ کہتے تھے کہ مولویوں کے وعظ تو سینکڑوں ایسے سنے ہوں گے جو چندہ کے ذکر سے خالی ہوں گے مگر لکچر ایک بھی ایسا نہ ہوگا خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرض سے پریشانی ہونے میں طبائع مختلف ہیں بعض لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو قرض کرنا جائز ہے غرض اسراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مصرف تو جائز ہے مگر اس میں خرچ کرنے سے گناہ پیدا ہو سکتے ہیں تو جہاں مصرف(۴) جائز سے بھی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بھی اسراف کہا جائے گا اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے لیے وہ اسراف نہیں۔

ایک رئیس بھوپال کی حکایت

اس پر ایک حکایت اور یاد آئی۔ حافظ محمد یوسف صاحب تھانوی نے بیان فرمایا کہ بھوپال میں ایک مرتبہ سنتیں پڑھتے ہوئے سخت بارش آ گئی سب لوگ نماز توڑ توڑ

(۱) ’’جب تک حلوہ فروش لڑکا نہ رویا بخشش کا دریا جوش میں نہ آیا۔ جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں جوش مارتا۔ جب تک ابر نہ برسے چمن سرسبز نہیں ہوتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بلا سے جان تمہاری چھوٹ جائے تو جان سے گریہ وزاری کرو تا کہ تم کو خوشی حاصل ہو گریہ کرو تا کہ بے دہان ہنسنے والے ہو‘‘ (۲) ’’ہر گریہ وزاری کے بعد خوشی ہے مرد آخر بیں مبارک بندہ ہے‘‘ (۳) ’’ہر لکچر کے بعد چندہ ہے انجام سوچنے والا مبارک بندہ ہے‘‘ (۴) خرچ کرنے کا جائز موقع۔

کر کوئی جلدی جلدی پوری کر کے اندر بھاگ گئے مگر ایک شخص جو نہایت عمدہ قیمتی لباس پہنے ہوئے تھے اطمینان سے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کا قیمتی لباس سب بھیگ گیا مگر انہوں نے اس کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنے کپڑے خراب کر لیے نماز مختصر کر کے اندر کیوں نہ آگئے۔ کہا مجھے خدا نے کپڑے بہت دیئے ہیں میں گھر جا کر دوسرا جوڑا بدل لوں گا لیکن دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض کپڑوں کی خاطر میں نماز کو مختصر کروں۔ اس شخص کو قیمتی کپڑا پہننا جائز تھا کہ اس کی وجہ سے نماز میں قلب ذرا مشغول نہ ہوا اور ایسے لوگوں کو اجازت نہیں جن کی یہ حالت ہے کہ جب عمدہ کپڑا پہنتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا خیال نہیں رہتا کپڑوں کی وجہ سے نماز برباد کر دیتے ہیں بعض لوگ عمدہ لباس پہن کر ایسے تکلف سے نماز پڑھتے ہیں کہ جب تک ان کے پاس والا آدمی کھڑا نہ ہو جائے اس وقت تک وہ نہیں اٹھتے۔ یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہمارا کپڑا دوسرے آدمی کے نیچے دب جائے اور اٹھتے ہوئے جھر جھر (۱) ہو جائے اس لیے وہ بعد میں اٹھتے ہیں تو ان کی ساری نماز کپڑوں کے سنبھالنے میں ختم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کو قیمتی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔

حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جو ان کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے قینچی منگا کر اس کی دونوں آستینیں کاٹ ڈالیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہن کر اپنے کو اچھا لگا اور جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اس وقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اس لیے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تاکہ اس پر نظر نہ رہے۔

سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل

(۱) پھٹ جائے۔

جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی اس کا شبہ ہوتا تھا تو فوراً ہی اسکا علاج کر لیتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی آئینہ ٹوٹنے کی حکایت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے یہاں کسی جگہ سے ایک آئینہ بہت قیمتی ہدیہ میں آیا۔ حضرت شیخ کنگھی کرتے ہوئے اسے سامنے رکھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خادم ہاتھ میں آئینہ لیئے آتا تھا اتفاق سے گر کر ٹوٹ گیا خادم کو خوف ہوا کہ دیکھئے آج خفگی (۱) نہ ہو اس نے آکر عرض کیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست (۲)

آپ نے فوراً جواب دیا۔

خوب شد اسباب خو دبینی شکست (۳)

معلوم ہوگیا کہ شیخ کے دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا جب تک موجود رہا خدا کی نعمت سمجھ کر استعمال کرتے رہے، جب ٹوٹ گیا تو دل پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ اس حالت میں آپ کو قیمتی سے قیمتی سامان رکھنا بھی جائز تھا اسے اسراف نہ کہا جائے گا اور جس کو قیمتی سامان سے تعلق اور لگاؤ ہوجائے اس کے لیے ایسا سامان اسراف میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ بعض دفعہ ایک مرید کو خوش پوشا کی پر زجر (۴) فرماتے ہیں اور دوسرے کو کچھ نہیں کہتے۔ اس کا منشاء یہی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اس کے قلب کو اس سے لگاؤ ہوتا ہے اور دوسرے کے قلب کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہوگیا مگر کچھ مضائقہ نہیں بہت سے کارآمد مضامین بحمد اللہ بیان ہوگئے۔

میں یہ بتلا رہا تھا کہ **لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا** (۵) ایسی عام حکمت ہے جو طلاق کے علاوہ تمام احکام میں جاری ہے۔ چنانچہ اسراف اور بخل میں بھی

(۱) ناراضگی (۲) ’’قضاء الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا‘‘ (۳) ’’اچھا ہوا کہ اسباب بینی ٹوٹ گیا‘‘ (۴) تنبہ (۵) ’’شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں‘‘۔

حکمت جاری ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔

دشمنی اور دوستی کا اعتدال

دشمنی اور دوستی کے لیے بھی شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے اور اس میں بھی اس حکمت کا جریان(۱) بہت واضح ہے بلکہ خود حضور ﷺ نے اس کی طرف ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی تعلیم ہے احبب حبيبك هونا ما عسى ان يكون بغيضكم يوما ما وابغض بغيضك هونا ما عسى ان يكون حبيبك يوما(۲) یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی اعتدال کے ساتھ کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جاوے تو تمہارے سارے راز معلوم ہونے کے سبب تم کو ضرر پہنچاوے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت دوست ہو جاوے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے حجاب نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء جمع ہو جاویں تو اس ذات پاک حضور کی برابر ہرگز حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے دوستی اور دشمنی کی کیسی حد بتلادی کہ دوستی ایسی کرو کہ اگر وہ کسی وقت دشمن ہو جاوے تو تم کو پریشانی نہ ہو۔ اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اگر کسی وقت دوست ہو جاوے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے ندامت نہ ہو۔ یہ وہی حکمت ہے لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں) کہ دوستی اور دشمنی کرتے ہوئے یہ سوچ لیا کرو کہ شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ پھر نادم(۳) ہونا پڑے تو اسی وقت اس کی رعایت کر لینی چاہیے کیا کوئی حکیم ہے۔ جس کی باتوں میں ایسی حکمتیں ہوں ہرگز نہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہماری دوستی کی کوئی حد ہے نہ دشمنی کی۔ دوستی کریں گے تو ایسی کہ دوست کو بھائی اور اولاد سے بڑھادیں گے۔ بھائی سے تو روپے پیسے کا بھی حساب ہوتا ہوگا اور دوست سے کسی چیز کا حساب نہیں وہ جو چاہے کرے پورا خود مختار ہے۔ اس کے

(۱) اس حکمت کا پایا جانا (۲) سنن الترمذی ۱۹۹۷، کنز العمال: ۲۴۷۲۴ (۳) شرمندہ۔

سامنے اپنے سارے راز بیان کردیتے ہیں حتٰی کہ خاندانی جھگڑے بھی سب اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ عزیزوں سے تو کچھ پردہ بھی ہوتا ہے مگر دوستوں سے کسی بات کا پردہ ہی نہیں ہوتا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ دشمنی پر آمادہ ہوگیا تو ان حضرت کے سارے راز ظاہر کردے گا میں کہتا ہوں کہ دوستوں سے اپنے خاص راز ہرگز ظاہر نہ کرو پیر سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہوتا۔

پیر سے کونسا افشاں راز مناسب ہے

مگر میں کہتا ہوں کہ پیر سے بھی وہی راز ظاہر کے جن سے اصلاح کا تعلق ہو۔ باقی راز مت ظاہر کرے شاید کوئی یہ کہے کہ کیا پیر بھی دشمن ہوسکتا ہے۔ اگر اس میں ایسا احتمال ہوتو پھر وہ پیر بننے کے لائق ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دشمن نہ ہوا تو شاید تم دشمن ہوجاؤ۔ اور اس کا آجکل مشاہدہ ہورہا ہے کہ بعض لوگ ایک عرصہ تک کسی کے معتقد تھے مگر پھر کسی بات پر پیر کے دشمن ہوگئے کیونکہ وہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

افسوس یہ ایک تعلق ایسا تھا جس کو تمام تعلقات سے قوی سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں اس کے لیے بھی بقاء نہیں۔ بس جب تک پیر سے کوئی بات اپنی طبیعت کے خلاف صادر نہ ہوا اس وقت تک تو وہ پیر ہے قطب ہے اور بڑا ولی ہے اور جس دن مرید کی طبیعت کے خلاف کوئی بات اس سے ظاہر ہوئی گو وہ شریعت کے بالکل مطابق ہو مثلاً اس نے زجر(۱) وتنبیہ کے طور پر مرید کو اپنے یہاں سے نکال دیا یا مجمع عام میں اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اب یہ حضرت پیر کے بھی دشمن ہوگئے اور اس کے خاندان کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ پیر کا دشمن ہوجانا اگر بعید معلوم ہوتا ہے تو آپ کا دشمن ہوجانا کچھ بھی بعید نہیں۔ تو اسی خیال سے آپ سارے راز اس کے سامنے ظاہر نہ کیجئے کہ نہ معلوم ہم آج ان کے معتقد ہیں کل کو ہم کیسے ہوں گے اس وقت افسوس کرنا پڑیگا ہم نے بے ضرورت اپنے اسرار پر کسی کو

(۱) ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر۔

کیوں مطلع کردیا۔ دوسرے پیر بھی آخر بشر ہے اگر وہی دشمن ہوجاوے تو کیا محال ہے۔

راحت کا راز

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد الاستاد فرماتے تھے کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھو۔ کیونکہ اکثر رنج وغم کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے امید تو اور کچھ۔ اور اس سے برتاؤ اور کچھ ظاہر ہوا۔ پھر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو اللہ اکبر یہی تو اہل اللہ کی علامت ہے کہ وہ معاملات میں اپنے کو بھی دوسروں کے برابر سمجھتے ہیں۔

اجازت طلب کرنے کا شرعی حکم

چنانچہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم ادخل(۱) میں اندر آؤں فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہوگئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آجکل تو کوئی ایسا کرکے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کردیں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر آنے کی اجازت دے یا نہ دے اور استیذان کا یہ قاعدہ زنانہ مکان میں تو ہے ہی۔ مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آجکل مسلمانوں

(۱) اتحاف السادۃ المتقین ۹:۲۸۰۔

نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھتے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کے لیے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لیے نہیں بیٹھتے مثلاً۔ مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہیں تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لے جانے کے متعلق دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہوگئے۔ کیونکہ شرعی قانون اس کے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کے لیے بھی جاری فرمایا۔

مشورہ کی شرعی حیثیت

اسی طرح حدیث میں ایک اور واقعہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ہے جب وہ آزاد ہوگئیں اور شرعی قاعدہ سے ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (جس سے غلامی کی حالت میں نکاح ہوا تھا) نکاح باقی رکھیں یا فسخ کردیں اور انہوں نے اس اختیار کی بناء پر فسخ نکاح (۱) کو اختیار کیا تو ان کے پہلے شوہر کو بہت رنج ہوا کیونکہ ان کو بریرہ سے محبت تھی اور حضرت بریرہ کو ان سے نفرت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شوہر کی حالت کو دیکھ کر بریرہ سے فرمایا کہ اگر تم مغیث سے نکاح کرلو تو اچھا ہے۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) نکاح توڑنا۔

فرمایا کہ حکم نہیں محض مشورہ ہے۔ تو انہوں نے صاف عرض کردیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت بریرہ کے اس جواب سے مطلق ناگواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ مشورہ کا قانون یہی ہے کہ دوسرے شخص کو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن آجکل تو اس قاعدہ پر کوئی عمل کرکے دیکھے کہ پیر صاحب کوئی مشورہ دیں یا کسی کی سفارش کریں اور مرید نہ مانے تو پھر دیکھئے کیا حال ہو۔ لیکن شرعاً اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں تھا تو پیر صاحب کے مشورہ پر عمل کرنا کہاں سے واجب ہوگیا۔ تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سنت ملاحظہ ہو کہ اس قاعدہ کلیہ میں اپنے کو بھی داخل فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ احبب حبیبك الخ (دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو) سے بزرگوں نے اپنے کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا پس اس بناء پر بجز خاص اسرار کے جن کو اصلاح حال میں دخل ہو باقی اسرار پیر سے بھی نہ کہو۔

عداوت میں حدود سے تجاوز کا انجام

پس یہ قاعدہ سب کو عام ہے۔ احبب حبیبك ھونا وعسی ان یکون بغیضك یوما ما وابغض بغیضك ھونا ما عسی ان یکون حبیبك یوما ما (۱) دوست کے ساتھ دوستی اعتدال سے کرو شاید کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہوجائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دوست ہوجائے۔ یہ تو دوستی کی حالت کا بیان تھا کہ حد سے بڑھ جاتے ہیں اسی طرح ہماری حالت دشمنی میں یہ ہے کہ اس میں بھی حد سے نکل جاتے ہیں کہ بس جس سے عداوت ہوگئی اس کی ایذا رسانی میں کسر نہیں رکھتے ہر ممکن طریقہ سے اس کو ضرر (۲) پہنچاتے ہیں خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا خلاف حلال وحرام کی بھی ذرا تمیز نہیں رہتی۔ لہٰذا اس حدیث میں دشمنی کی بھی حد بتلادی۔ کیا ٹھکانا ہے انتظام کا کہ حق تعالیٰ نے کفار تک کے ساتھ عداوت کرنے کے

(۱) نقصان (۲) سنن الترمذی: ۱۹۹۷، کنز العمال ۲۴۷۴۲۔

لیے بھی قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا۟ ۘ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ (۱) دیکھئے صحابہ کی عداوت دینی تھی اور اس کا منشاء بھی دین تھا کہ کفار نے مسجد حرام پر ناحق قبضہ کر رکھا تھا اور اس کے اندر نماز اور طواف کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا مگر اس میں بھی حکم ہوتا ہے کہ حدود سے مت نکلو گناہ اور ظلم نہ کرو نہ ان کاموں میں کسی کا ساتھ دو۔ اب اس ارشاد کو سن کر مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ دوستی اور دشمنی میں حدود سے کتنا تجاوز کرتے ہیں آجکل ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو دین کے لیے کسی سے دوستی اور دشمنی کرتے ہوں ہماری دوستی اور دشمنی سب دنیا کے واسطے ہے پھر اگر شاذ و نادر کسی کو کسی سے دین کے واسطے بھی دشمنی ہو تو اس میں حالت یہ ہے کہ دشمنی میں حدود سے اتنا تجاوز کرتے ہیں کہ دین بھی برباد ہو جاتا ہے پرائے شگون تو اپنی ناک کٹانا اسی کا نام ہے کہ دوسروں کی دنیا برباد کرنے کے لیے اپنا دین خراب کرتے ہیں۔

جذبات نفسانیہ کی اصلاح

آجکل دشمنی میں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ دوسرے کو ضرر پہنچ جاوے چاہے اپنے کو کچھ نفع ہی نہ ہو بلکہ خواہ اپنے کو اس سے بڑھ کر ضرر پہنچ جاوے اور اس میں راز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے جذبات نفسانیہ کو عقل و شرع کے تابع نہیں کرتے بلکہ خود عقل و شرع کو جذبات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جذبات نفسانیہ کو احکام الٰہی کا تابع بناؤ۔ چنانچہ ہجرت کے قبل جہاد مشروع نہ ہونے کا نکتہ محققین نے یہی فرمایا

(۱) ''اور تم کو کسی قوم کی عداوت جو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا ہے اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم حد سے تجاوز کرنے لگو اور (ہمیشہ) نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ نہ دو اور (ہمیشہ) خدا تعالیٰ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو۔ بیشک حق تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے'' سورۃ المائدہ:۱۰۶۔

کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی اس لیے اجازت نہ ہوگی کہ اس وقت تک مسلمانوں کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی اصلاح تدریجاً ہوئی ہے۔ دفعۃً نہیں ہوئی اور یہ ایسی بات ہے جس کا انکار وہی کرسکتا ہے جس نے احادیث وآیات میں تامل نہ کیا ہو ورنہ نصوص میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

حضرات صحابہؓ کی تکمیل اصلاح تدریجاً ہوئی

چنانچہ ایک حدیث میں ہے من قال والات والعزی فلیقل لا الٰہ الا اللّٰہ ومن قال تعالٰی اقامرك فلیصدق (۱) یعنی جس شخص کی زبان سے لات وعزی کی قسم نکل جائے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ اور جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جوا کھیلیں اس کو صدقہ کرنا چاہیے دیکھئے۔ آجکل اگر کوئی لات وعزی کی قسم کھالیوے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے مگر اس وقت چونکہ صحابہ نومسلم تھے جو چندروز پیشتر ان کلمات کے عادی تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عادت سابق کے موافق ایسے کلمات زبان سے نکل جائیں تو کلمہ توحید پڑھ لینا چاہیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں جاہلیت کا کچھ اثر باقی رہ جانا مستبعد نہیں چنانچہ اسی بناء پر یہ تعلیم فرمائی گئی تھی۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرات صحابہؓ کی اصلاح کی تکمیل تدریجاً ہوئی ہے۔ اس لیے ان کو مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ اس وقت جہاد میں نفس کی آمیزش ہوتی اخلاص نہ ہوتا۔ اور بدون اخلاص کے دینی کامیابی کا نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے مگر مسلمان کو دنیوی کامیابی بھی بدون اس کے نہیں ہوتی اخلاص کے باب میں حق تعالٰی فرماتے ہیں وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ (۲) اور حدیث میں ہے یوتی بالشھید یوم القیمة (۳)

(۱) سنن الترمذی: ۱۵۴۵ (۲) ’’ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لیے خالص رکھیں‘‘ سورۃ البینۃ: ۵ (۳) المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲/ ۱۸۲۔

کہ قیامت کے دن شہید کو بلایا جاویگا اور اپنی نعمتیں یاد دلاکر اسے پوچھا جاے گا کہ ہمارے واسطے تونے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا میں نے آپ کے راستہ میں اپنی جان دی اور کفار سے جہاد کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے تونے ہمارے واسطے جان نہیں دی، بل یقال انك لجری، بلکہ اس لیے سب کچھ کیا تا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں کہ بڑا جوانمرد ہے کسی سے نہیں ڈرتا حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے اظہار دیئے فقد قیل، یعنی دنیا میں تیری بہت تعریف ہوچکی اور تیرا مدعا حاصل ہوگیا یہاں تیرے واسطے صرف جہنم ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں کھینچ کرلے جاؤ تو حق تعالیٰ نے حصرات صحابہؓ کو اس بلا سے بچالیا کہ جب تک ان کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوگئی اس وقت تک جہاد کی اجازت نہ دی اگر ابتداء اسلام ہی میں اجازت ہوجاتی تو بہت سے ناموری یا شفاء غیظ کے لیے جہاد کرتے اخلاص کے ساتھ محض رضائے حق کے لیے کام نہ ہوتا۔

مدینہ منورہ میں اجازت جہاد ملنے کا راز

جب صحابہ کی تکمیل ہوگئی اور کفار کی ایذائیں سہتے سہتے ان میں جذبات نفسانیہ کے دبانے کا ملکہ پیدا ہوگیا اس وقت آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ کر جہاد کی اجازت ہوئی مکہ مکرمہ میں جہاد کی ممانعت کا سبب یہ نہ تھا کہ جماعت اہل سلام کم تھی اگر یہ سبب ہوتا تو مدینہ منورہ پہنچ کر بھی اجازت نہ ہوتی کیونکہ وہاں پہنچ کر بھی مسلمانوں کا مجمع کفار سے بہت ہی کم تھا اگر کم نہ ہوتا تو ملائکہ کا جوڑ نہ لگایا جاتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں اکثر ملائکہ کا لشکر آیا کرتا تھا جن کی برکت سے مسلمانوں کو غلبہ ہوتا تھا اور قلت وکثرت عدد پر مدار ہوتا تو جنگ حنین میں جس میں مسلمان زیادہ تھے مغلوب نہ ہوتے اور زیادتی بھی معمولی نہ تھی بلکہ کفار سے تین حصہ زیادہ تھے چنانچہ کفار چار ہزار تھے اور مسلمان بارہ ہزار اور زیادتی عدد کے ساتھ ایک اور خصوصیت بھی تھی وہ یہ کہ بارہ ہزار کے عدد میں ایک خاصیت نص میں وارد ہے کہ لن یغلب اثنا عشر الفا

من قلة(۱) یعنی بارہ ہزار مسلمان قلت عدد سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے تو تمام مقتضیات غلبہ کے موجود تھے مگر پھر بھی مغلوب ہو گئے معلوم ہوا کہ قلت عدد عدم مشروعیت جہاد کا سبب نہ تھا اگر اس پر شبہ ہو کہ مسلمان تو اس سے زیادہ مغلوب ہوتے ہیں چنانچہ حنین ہی میں مغلوب ہوئے اور کیا اس میں کوئی قید نہیں یعنی اگر مقابل لاکھوں ہو تب بھی یہ وعدہ ہے جواب خود اس حدیث ہی کی ایک قید سے نکلتا ہے وہ قید من قلۃ کی ہے یعنی قلت سبب مغلوبیت کا نہ ہوگا کوئی اور علت سبب ہو جاوے۔ چنانچہ حنین میں عجب (۲) سبب ہوا اس مغلوبیت کا۔ اور ظاہرا اس میں اور کوئی قید نہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ بعد اذن بالقتال (۳) کے بھی تو بعضے مجاہدین نومسلم تھے اور ان میں تمہارے بیان کے موافق غلبہ جذبات کا ہوگا تو ان کو جہاد میں کیوں شریک کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تجربہ ہے مخلوط جماعت میں اثر غالب عدد غالب کا ہوتا ہے اور جب جہاد مشروع ہوا اس وقت زیادہ تر جماعت کاملین کی تھی گو ان میں بعضے نومسلم بھی ہوتے تھے مگر غلبہ کاملین کو تھا اور فلاح و کامیابی کے لیے اتنا کافی ہے کہ زیادہ تر کام کرنے والے مخلص ہوں۔ اگر تھوڑے سے غیر مخلص بھی ہوں تو مغلوبیت کی وجہ سے کام خراب نہیں ہوتا۔ دوسرے جب غلبہ مخلصین کو ہوتا ہے تو ناقصین پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے کہ ان میں بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ غیر مخلصین کو ہوا اور مخلص قلیل ہوں تو اس وقت معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔

کہ ان غیر مخلصین کی کثرت کا اثر مخلصین پر پڑتا ہے کہ ان کا اخلاص بھی ناقص اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مسلمانوں کے اکثر کام پورے نہیں ہوتے کیونکہ غلبہ غیر مخلصین کو ہے اگر مخلصین کو غلبہ ہو تو پھر ناکامی کبھی نہ ہو۔ اور صحابہ کے جذبات نفسانیہ کی یہاں تک اصلاح ہو گئی تھی کہ جب کفار نے ان کو مکہ مکرمہ میں جانے

(۱) جمع المسانید: ۲/۲۶۷ (۲) بڑائی (۳) جہاد کی اجازت کے بعد

سے روکا اس وقت وہ آپے سے باہر نہیں ہوئے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر جمے رہے اگر ہم لوگوں کو کبھی ایسا واقعہ پیش آئے تو نہ معلوم جوش غضب میں کیا کچھ کر بیٹھیں غرض اصل مقصود اتباع احکام ہے اور دوستی اور دشمنی وہی قابل اعتبار ہے جو احکام شریعت کے موافق ہو۔ بخدا اتباع احکام کے بغیر نہ سلطنت مقصود ہے نہ ترقی اگر خالی سلطنت مقصود ہو تو فرعون سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جانا چاہیے نعوذ باللہ منہ، بس مسلمان کا اصل مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھے۔

مصلحت، دیدمن آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند وخم طرہ یارے گیرند(۱)

اگر دلیل شرعی سے خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ثابت ہو کہ گوہ کا ٹوکرا اٹھاویں اور خاموش رہیں تو ہماری فلاح اسی میں ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کفار کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کرتے رہے اور اسی میں خوش رہے۔ اور اگر اتباع احکام کے ساتھ ہم کو سلطنت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے پس ہم کو نہ ترقی مقصود بالذات ہے نہ تنزل۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیرہ او تمنائے(۲)

خدا کو راضی رکھ کر اگر دنیا مل جائے تو مبارک ہے ورنہ ایسی تیسی اس دنیا کی جس میں چند روز گلچھرے اڑا کر ہم جہنم کے کندے بن جاوے حیرت ہے کہ مسلمان ہو کر رضائے الٰہی کے سوا کسی اور چیز کو مقصود سمجھے یہ تو دوستی اور دشمنی کے حدود تھے جو میں نے بیان کر دیئے۔

(۱)'' مصلحت یہی ہے کہ تمام مصلحتوں پر خاک ڈال کر تمام دوست ایک ہی محبوب کی طرف متوجہ ہو جائیں'' (۲) فراق ووصل کیا ہوئے رضائے الٰہی طلب کر واس لیے افسوس ہے سوائے اس کے تمنا کرنا''۔

باطنی احوال ومقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہوکر باطنی احوال ومقامات تک کے لیے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لیے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کے لیے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب (۱) بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق ومعاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز وکاغذ سوزودم درکش
کہ حسن ایں قصہ عشق در دفتر نمی گنجد (۲)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: قُل لَّوۡ كَانَ ٱلۡبَحۡرُ مِدَادٗا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّي لَنَفِدَ ٱلۡبَحۡرُ قَبۡلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّي وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهِۦ مَدَدٗا (۳)

(۱) اپنی ذات میں مطلوب نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مطلوب ہیں (۲) ''قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لیے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں سما سکتا'' (۳) ''آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہوجائے اگرچہ اس کی مدد کے لیے ہم ایک دوسرا سمندر لے آئیں احکام الٰہی کی انتہا نہیں''۔

شوق اور خوف کی حدود

اس لیے نمونہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً شوق اور خوف کے لیے بھی حدود ہیں دیکھئے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللھم انی اسئلك شوقاالی لقائک فی غیر ضراءمضرۃٍ ولافتنۃ مضلۃ، اگر شوق کے لیے حد نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قید کیوں بڑھائی فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنہ یعنی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے لقاء کا ایسا شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو ضراء کا مقابلہ اضلال کے ساتھ مقتضی ہے کہ یہ کوئی دنیوی ضرر ہے یعنی بیماری وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ اس شوق میں مجھ کو نہ کوئی بیماری لگے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنہ میں ابتلاء ہو۔

غلبہ شوق کے دو اثر

بات یہ ہے کہ غلبہ شوق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک جسمانی، ایک روحانی جسمانی اثر تو یہ ہے کہ کثرت شوق سے حرارت جسمانیہ بڑھ جاتی ہے اور جب بدن میں خشکی کا غلبہ ہوجاتا ہے جس کے لیے ضعف لازم ہے تو غلبہ شوق سے بدن میں ضعف واضمحلال بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں تو پہلے نماز کھڑے ہوکر پڑھ سکتے تھے اب قعود(۱) ہی رہ گیا۔ چند دنوں کے بعد قعود بھی دشوار ہوگیا پہلے روزے بہت رکھ سکتے تھے اب نہیں رکھ سکتے۔ وعلی ہذ القیاس نیز شوق کے غلبہ میں کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ جس کسی عزیز کے آنے کا انتظار ہوتا ہے تو عین کھانے کے وقت خبر آمد سن کر بھوک جاتی رہی ہے کھانا نہیں کھایا جاتا یہی حالت غلبہ شوق لقاء میں ہوجاتی ہے اہل شوق کو ایسے واقعات پیش آئے ہیں تو غلبہ حرارت کے ساتھ جب غذا بھی کم ہوجائے اب جتنا بھی ضعف ہو ظاہر ہے۔ تو آپ نے فی غیر ضراء مضرۃ میں

(۱) اب بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں۔

ایسے غلبہ شوق کی نفی کردی کہ اے اللہ شوق کی وجہ سے میری صحت خراب نہ ہو کیونکہ بعض اوقات حد قدرت کے اندر بھی عمل میں سستی ہونے لگتی ہے۔ جس سے معصیت بھی ہوتی ہے یہ ضرر ہوا حد سے زیادہ غلبہ شوق کا۔

غلبہ شوق کی روحانی خرابی

دوسری خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبہ، شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آکر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیونکہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہوجاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند
از سخنہا عالمے را سو ختند (۱)

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہوجانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولا فتنۃ مضلۃ میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوجاؤں۔

شوق خداوندی اور خوف الٰہی کے حدود

اسی طرح خوف کے لیے بھی آپ نے ایک حد بتلائی ہے حدیث شریف

(۱) ’’ظالم وہ ہیں جنہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور تمام دنیا کو اپنی باتوں سے جلاتے رہے‘‘۔

میں ہے۔ واسئلك من خشيتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك(۱) اور اے اللہ میں آپ کا اتنا خوف چاہتا ہوں جس سے گناہوں کے درمیان اور میرے درمیان رکاوٹ ہوجائے اور اس قید کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ غلبہ خوف سے مایوسی پیدا ہوجاتی ہے صفات جلال کے مشاہدہ سے صفات جمال یعنی رحمت ورافت خداوندی کی طرف بالکل ذہن نہیں جاتا جس سے مایوسی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب رحمت خداوندی سے مایوسی ہوگئی تو کفر تک گیا فانه لا ييئس من روح الله الا القوم الكافرون (۲) اور اگر مایوسی بھی نہ ہوئی تو تعطل کی نوبت آجاتی ہے۔ سمجھتا ہے کہ جب ان اعمال سے کچھ کام نہیں چل سکتا تو یہ سب بیکار ہیں۔ اب نماز روزہ سب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اس ورطہ میں بہت لوگ تباہ ہوگئے ہیں۔ جو اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ما تحول بيه بينی وبين معاصيك اتنا خوف جو میرے اور میرے گناہوں کی رکاوٹ ہوجائے۔ فرما کر بتلادیا کہ خوف کا ہر درجہ مطلوب نہیں۔

صاحبو! جب شوق خداوندی اور خوف الٰہی کے لیے بھی حدود ہیں تو اب باقی امور(۳) کو خود ہی سمجھ لیجئے کہ ان کے لیے حدود کیوں نہ ہوں گے شوق اور خوف میں لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا (۴) کا اجراء اس طرح ہوگا کہ زیادہ غلبہ شوق کی تمنا نہ کرو کیونکہ شاید اس سے طاعات میں کمی ہوجائے پھر تم پچھتاؤ گے یا ناز پیدا ہوگیا اور حد ادب سے نکل گئے تو پشیمانی(۵) ہوگی اور اگر شوق کے بعد انس عطا ہوگیا تو اس وقت تم ادب کرنا چاہو گے مگر عادت کی وجہ سے کلمات ناز زبان سے نکل جایا کریں گے تو گناہ بھی ہوگا پھر پچھتاؤ گے کہ ہائے میں نے اتنا شوق کیوں مانگا تھا۔

ظاہری اور باطنی امور میں حدود کا فرق

اسی طرح خوف میں سمجھ لیجئے غرض باطنی امور میں بھی حدود ہیں لیکن ظاہری

(۱) موارد الظمآن للہیثمی: ۵۰۹ بلفظ آخر (۲) ”اس لیے بجز کافر لوگوں کے اللہ کی رحمت سے کوئی مایوسی نہیں ہوتا“ (۳) کاموں کے لیے (۴) ”شاید اس سے اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کردیں“ سورۃ الطلاق:۱ (۵) شرمندگی۔

امور میں تو حدود اختیاری ہیں ان سے خود بچنا چاہیے اور باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں ان کے لیے حق تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور دعا کے فرمایا ہے۔ اللھم انی اسئلك شوقا الی لقائك فی غیر ضراء مضرۃٍ ولا فتنة مضلة (۱) البتہ باطنی امور میں اتنی بات اختیاری ہے کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ اپنے لیے تجویز کر کے اس کی تمنا نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ پر تفویض (۲) کر دے امید ہے کہ یہ نمونہ تمام حدود کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اب دعا کیجئے گا حق تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں۔

نوٹ: وعظ ختم ہونے کے بعد موذن نے فوراً وقت سے پہلے ہی اذان کہہ دی تا کہ سارا مجمع اسی مسجد میں نماز پڑھ کر جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بھی وہی بات ہے کہ ہم لوگوں میں حدود کی رعایت نہیں۔ موذن صاحب نے کثرت جماعت کا تو خیال کیا مگر یہ نہ دیکھا کہ ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه
اجمعین واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین (۳)

---

(۱) ”اے اللہ مجھے اپنی لقا (ملاقات) کا اس قدر شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ (گمراہی میں مبتلا کرنے والا فتنہ) ہو (۲) اللہ کے سپرد کر دے (۳) اللہ تعالیٰ نے تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام دینی دنیوی معاملات میں حد اعتدال پر قائم رکھے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

3/3/2021

کرونا وائرس ودیگر امراض سے بچاؤ کے وظائف

۞ تین مرتبہ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

۞ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل (تین سو تیرہ مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں)

۞ آیت کریمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ (سورۃ الانبیاء:۸۷) زیادہ سے زیادہ پڑھیں، وقفے وقفے سے کچھ مقدار پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں۔

۞ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (ترمذی:۵۹۴۶) ہر کھانے اور پینے کی چیز سے پہلے ایک مرتبہ یہ دعا پڑھ لیں۔

۞ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا (ترمذی: ۳۴۳۱) تو وہ زندگی بھر اس مرض وو باء سے محفوظ رہیگا۔

نوٹ: جب کسی مریض کو دیکھیں یا کسی مریض کے بارے میں سنیں یا کسی اخبار وغیرہ میں پڑھیں تو ایک مرتبہ مذکورہ دعا، مذکورہ فضیلت حاصل کرنے کے لیے پڑھیں۔

۞ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا یَجِیْئُ بِهِ الرِّیْحُ۔ (ترمذی:۳۵۲۰)

اے اللہ میں ہر ایسی وباء سے تیری پناہ میں آتا ہوں جسے ہوا لیکر آتی ہے۔

نوٹ: فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعا میں اور دیگر مواقع میں کی جانے والی دعاؤں میں یہ دعا ضرور پڑھیں۔

ان شاء اللہ مذکورہ اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ کرونا وائرس اور دیگر امراض سے ہماری حفاظت فرمائیں گے۔

آمین یارب العالمین

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ سابق مہتمم جامعہ ہذا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کی طباعت کا سلسلہ بحمد اللہ جاری ہے اور اس سلسلہ کا بتیسواں (32) وعظ ''تبدیلی حالات میں حکمت الٰہی'' طبع ہو کر آچکا ہے، احباب ادارہ اشرف التحقیق سے حاصل کر سکتے ہیں۔

۲۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ''تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح'' کے اردو ترجمہ پر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں باقاعدہ کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ احباب سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

۳۔ گذشتہ ماہ مہتمم جامعہ ہذا حضرت قاری احمد میاں تھانوی دامت برکاتہم نے درج ذیل ملکی اسفار فرمائے:

- 4 جولائی مدرسہ امداد العلوم رحمان پورہ، لاہور: تلاوت و بیان کے بعد کامیاب طلباء کی دستار بندی فرمائی اور انعامات سے نوازا۔
- 11 جولائی حضرت مولانا درخواستیؒ کے نواسہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کی دعوت پر خانپور مدرسہ عبد اللہ بن مسعود کے سالانہ جلسہ میں تلاوت فرمائی اور طلباء کرام وعلماء عظام کے ساتھ خصوصی علمی مجلس میں شرکت فرمائی۔
- 18 جولائی جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرف سے خصوصی دعوت پر شوری کے اجلاس میں شرکت فرما کر قیمتی تجاویز سے نوازا۔
- 19 جولائی جامعہ اشرف المدارس شجاع آباد ملتان کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات و دستار بندی میں شرکت فرما کر تلاوت فرمائی اور طلباء کو گراں قدر نصائح سے مستفید فرمایا۔